محمد مشتاق احمد*

توہین رسالت کی سزا کے متعلق حنفی مسلک

علامہ ابن عابدین الشامی کی معرکۃ الآرا تحقیق کا خلاصہ

ماہنامہ ''الشریعہ'' کے مارچ ۲۰۱۱ء کے شمارے میں راقم کا ایک مقالہ ''توہین رسالت کی سزا فقہ حنفی کی روشنی میں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مقالے کے آخر میں تمام مباحث کا خلاصہ راقم نے ان سات نکات کی صورت میں پیش کیا تھا:

''۱۔ کسی شخص کو اس وقت تک گستاخ رسول قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک مقررہ شرعی ضابطے پر اس کا جرم ثابت نہ ہو۔

۲۔ اگر گستاخ رسول اس جرم سے پہلے مسلمان تھا تو اس کے اس جرم پر ارتداد کے احکام کا اطلاق ہوگا اور اگر وہ پہلے ہی غیر مسلم تھا تو پھر اس فعل پر سیاسۃ کے احکام کا اطلاق ہوگا۔

۳۔ حد ارتداد کو ملزم کے اقرار یا دو ایسے مسلمان مردوں کی گواہی، جن کا کردار بے داغ ہو، سے ہی ثابت کیا جاسکتا ہے، جبکہ سیاسۃ کو عورتوں اور غیر مسلموں کی گواہی، نیز قرائن اور واقعاتی شہادتوں سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ پہلی صورت میں سزا بطور حد موت ہے لیکن سزا کے نفاذ سے پہلے عدالت مجرم کو توبہ کے لیے کہے گی اور اگر عدالت اس کی توبہ سے مطمئن ہو تو اس کی سزا ساقط کر دے گی۔ دوسری صورت میں کوئی مقررہ سزا نہیں ہے بلکہ جرم کی شدت وشناعت اور مجرم کے حالات کو دیکھتے ہوئے عدالت مناسب سزا سنائے گی، جو بعض حالات میں سزائے موت بھی ہوسکتی ہے۔ سیاسۃً دی جانے والی سزا کو حکومت معاف کرسکتی ہے اگر مجرم کا طرز عمل تخفیف کا متقاضی ہو۔

۵۔ حد ارتداد حق اللہ ہے اور سیاسۃ کی سزا حق الامام ہے، اور حنفی فقہا کے مسلمہ اصولوں کے مطابق حقوق اللہ اور حقوق الامام دونوں سے متعلق سزاؤں کا نفاذ حکومت کا کام ہے۔

۶۔ اگر کسی شخص نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر ایسے شخص کو قتل کیا جو پہلے مسلمان تھا لیکن توہین رسالت کے نتیجے میں مرتد ہوگیا تھا اور اس کا جرم مقررہ ضابطے پر ثابت ہوا تھا، تو قاتل کو قصاص کی سزا نہیں دی جائے گی لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر اس قاتل کو سیاسۃً مناسب سزا دی جاسکے گی۔ اگر مقتول کا جرم مقررہ ضابطے پر ثابت نہیں ہوا تھا تو سیاسۃ کے علاوہ قاتل کو قصاص کی سزا بھی دی جائے گی۔

۷۔ اگر مقتول پہلے سے ہی غیر مسلم تھا اور اس کے خلاف الزام ثابت نہیں ہوا تھا، یا اسے عدالت کی جانب سے سزائے

---

*اسسٹنٹ پروفیسر قانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔ (mushtaqahmad@iiu.edu.pk)

موت نہیں سنائی گئی تھی، یا اس سزا میں تخفیف کی گئی تھی، تو قاتل کو قصاص کی سزا بھی دی جائے گی اور **سیـــــاسۃً** کوئی اور مناسب سزا بھی سزا بھی دی جا سکے گی۔ اگر مقتول کا جرم بھی ثابت تھا اور اسے سزاے موت بھی سنائی گئی تھی تو قاتل کو قصاص کی سزا نہیں دی جائے گی لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر تادیب کے لیے اسے **سیاسۃً** مناسب سزا دی جا سکے گی۔''

ان نتائج بحث میں سے بعض پر چند اہل علم کی جانب سے عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا کیونکہ ان کی رائے میں متاخرین فقہاے احناف کی رائے اس مقالے میں نظر انداز کی گئی تھی۔ درحقیقت متاخرین کی اختلافی رائے پر راقم نے مقالے کے حواشی میں بحث کی تھی اور شاید اسی وجہ سے بعض اہل علم اسے نظر انداز کر گئے تھے۔ اس مقالے میں راقم کا مفروضہ یہ تھا کہ متاخرین کی رائے حنفی مسلک کی صحیح نمائندگی نہیں کرتی۔ اس موضوع پر اپنی جانب سے مزید کچھ کہنے کے بجاے راقم نے مناسب خیال کیا کہ اس مسئلے میں علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی کی معرکہ آرا تحقیق کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔

توہین رسالت کی سزا کے متعلق معاصر اہل علم کی بحث میں بالعموم قاضی عیاض بن موسیٰ کی **الشـفـا بتعـریف حقوق المصطفی** اور شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ الحرانی کی **الصارم المسلول علی شاتم الرسول** کے مندرجات کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے۔ قاضی عیاض کا تعلق مالکی مسلک سے جبکہ امام ابن تیمیہ کا تعلق حنبلی مسلک سے تھا۔ شافعی مسلک سے تعلق رکھنے والے ممتاز فقیہ خاتمۃ المجتہدین تقی الدین السبکی کی نہایت اہم تالیف **السیف المسلـول علـی من سبّ الرسول** کو بالعموم اس سلسلے میں نظر انداز کیا گیا ہے، لیکن سب سے بڑا ظلم علامہ ابن عابدین الشامی کے ساتھ ہوا ہے کیونکہ ان کی تحقیق کا جو خلاصہ **رد المحتار** میں ملتا ہے، اس سے لوگوں نے بالعموم مختلف اقتباسات سیاق وسباق سے کاٹ کر نقل کیے ہیں اور یوں علامہ شامی نے جس بات کی تردید میں اپنی توانائیاں صرف کی اسی بات کو علامہ شامی کے حوالے سے لوگوں نے نقل کیا ہے! یہی کچھ ان کے اس رسالے کے ساتھ ہوا ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

علامہ شامی کا یہ رسالہ ان کے مجموعۂ رسائل کی پہلی جلد میں پندرھویں نمبر پر آتا ہے۔ اس کا پورا عنوان ہے:

''**تنبیہ الولاۃ و الحکام علی أحکام شاتم خیر الأنام أو أحد أصحابہ الکرام علیہ و علیھم الصلاۃ و السلام**''

راقم کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دور کے مخصوص تناظر میں اس عنوان میں تھوڑی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اب اسے محض **تنبیہ الولاۃ و الحکام** نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا زیادہ مناسب عنوان شاید **تنبیہ العلماء والولاۃ والحکام** ہو۔ راقم نے اس انتہائی اہم رسالے کا انگریزی زبان میں ترجمہ مکمل کر لیا ہے اور آج کل اس پر تحقیقی حواشی اور مقدمہ لکھنے کا کام جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے۔

واضح رہے کہ اس مقالے میں راقم کا مطمح نظر توہین رسالت کی سزا کے بارے میں حنفی فقہا کے موقف کے دلائل واضح کرنا نہیں، بلکہ راقم کا مقصود صرف یہ ہے کہ توہین رسالت کی سزا کے مختلف پہلوؤں پر حنفی فقہا کے موقف کی صحیح تصویر سامنے لائی جائے، اگرچہ اس کوشش میں ضمناً فقہاے احناف کے دلائل کا خلاصہ بھی سامنے آ جائے گا۔

علامہ شامی کے رسالے کا اجمالی خاکہ

علامہ شامی نے اپنے اس رسالے کو دو ابواب میں تقسیم کیا ہے:

باب اول میں گستاخ رسول کی سزا پر تفصیلی بحث ہے جبکہ باب دوم صحابۂ کرام کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا کے بارے میں ہے۔

چونکہ موضوع زیر بحث کا تعلق باب اول سے ہے اس لیے اس باب کے مندرجات کا خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ علامہ شامی نے اس باب کو تین فصول میں تقسیم کیا ہے جن میں پہلی دو فصول اس شخص کے متعلق ہیں جو اس فعل کے ارتکاب سے قبل مسلمان تھا:

فصل اول میں علامہ شامی نے ثابت کیا ہے کہ اگر ایسا شخص اس فعل سے توبہ نہ کرے تو اس کی سزا بطور حد موت ہے۔

فصل دوم میں علامہ شامی نے تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ ایسے شخص سے توبہ کے لیے کہنا لازم ہے اور اگر قاضی اس کی توبہ سے مطمئن ہو تو اس شخص کی دنیوی سزا ساقط ہو جائے گی۔ انھوں نے تفصیل سے اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ کا مسلک واضح کیا ہے۔

فصل سوم اس گستاخ رسول کی سزا کے متعلق ہے جو مسلمان ریاست کا باشندہ ہو۔ علامہ شامی نے ثابت کیا ہے کہ اس شخص کو فساد کے ارتکاب کی وجہ سے قاضی مناسب سزا دے سکتا ہے جو بعض شنیع صورتوں میں سزائے موت بھی ہو سکتی ہے۔

فصل اول: اگر مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرے

علامہ شامی نے اس فصل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلے حصے میں انھوں نے اس مسئلے میں فقہا کی آرا اور دلائل کا خلاصہ ذکر کیا ہے، جبکہ دوسرے حصے میں انھوں نے اس بات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے کہ ایسے گستاخ رسول کی سزا کی علت ''گستاخی'' ہے یا ''کفر''؟

ایسا مجرم اگر توبہ نہ کرے تو اس کی سزائے موت پر اجماع ہے۔

چنانچہ پہلے حصے میں علامہ شامی نے اس بات پر فقہا کا اجماع نقل کیا ہے کہ اگر مسلمان کہلانے والا شخص رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس فعل سے توبہ نہ کرے تو اس کی سزا بطور حد موت ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں بعض لوگوں کے شبہے کا جواب بھی دیا ہے جو یہ کہتے تھے کہ اس فعل کے ارتکاب سے مسلمان تبھی مرتد ہوگا جب وہ اس فعل کو اعتقاداً جائز سمجھے۔ علامہ شامی نے قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع وقیاس کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ اس فعل کا مرتکب مرتد ہو جاتا ہے خواہ وہ اعتقاداً اس کی حلت کا قائل نہ ہو۔

سزائے موت کی علت: گستاخی یا ارتداد؟

اس کے بعد دوسرے مسئلے میں علامہ شامی نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ ایسے شخص کو جو سزا دی جاتی ہے وہ خاص اس گستاخی کے سبب سے دی جاتی ہے یا اس وجہ سے دی جاتی ہے کہ یہ گستاخی ارتداد ہے اور اس وجہ سے اس شخص کو دراصل ارتداد کی سزا دی جاتی ہے؟

انھوں نے قرار دیا ہے کہ گستاخ رسول کی سزائے موت کی علت یہ ہے کہ اس فعل کی وجہ سے وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ اگر گستاخی ہی علت ہوتی تو پھر ہر گستاخ کو بطور حد سزائے موت دی جاتی حالانکہ فقہائے احناف سے صراحت کی ہے کہ غیر مسلم گستاخ رسول کو بعض حالات میں سزائے موت دی جاتی ہے تو وہ بطور حد نہیں بلکہ بطور سیاسۃ دی جاتی ہے۔

چنانچہ پہلے وہ مرتد اور عام کافر میں چند فروق ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور عام کافر کو ذمی بنا کر اس پر جزیہ عائد کیا جا سکتا ہے اور اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، جبکہ مرتد کو ذمی نہیں بنایا جا سکتا اور اگر اس نے اسلام کی طرف رجوع نہیں کیا تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قتل مرتد کی علت کفر نہیں بلکہ کفر کی خاص شکل ۔مسلمان کی طرف سے ارتداد۔ ہے اور ارتداد کی یہ سزا بطور حق اللہ واجب ہے۔ لہٰذا مرتد کی سزائے موت حد ہے، خواہ متقدمین فقہائے احناف نے کتاب الحدود میں اس کا ذکر نہ کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ متقدمین بھی ارتداد کے لئے ان ساری صفات کے قائل ہیں جو حد کی ہیں۔

یہاں ابن عابدین ایک شبہے کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر یہ سزا حد ہے تو پھر یہ توبہ سے ساقط کیسے ہوتی ہے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ مرتد کی بطور حد سزائے موت کی وجہ خاص فعل ارتداد نہیں ہے بلکہ فعل ارتداد کے ساتھ ساتھ اس کا دوسرا سبب اس کا کفر پر قائم رہنے کا ارادہ ہے۔ اور ایسی علت جو دو اجزا پر مشتمل ہو وہ ان میں کسی کے بھی نہ ہونے کی صورت میں موجود نہیں رہتی۔ پس اس کے اسلام کی طرف لوٹ آنے کے بعد تنہا ارتداد سزائے موت کا سبب نہیں بن سکتا کیونکہ سزائے موت بیک وقت دو افعال کی جزا تھی۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ عام قاعدے کے تحت تو بقیہ حدود کی طرح چاہیے تھا کہ یہ حد بھی توبہ سے ساقط نہ ہوتی لیکن کئی آیات واحادیث میں صراحتاً قرار دیا گیا ہے کہ اسلام قبول کرنے پر پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس لیے فقہا نے اسے عام قاعدے سے استثنا قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس سزا پر یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے کہ اگر یہ حد ہے تو پھر مرتد عورت پر کیوں نہیں نافذ کی جاتی کیونکہ کئی روایات میں صراحتاً کافر عورتوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے یہ ممانعت بھی ایک استثنائی حکم ہے۔

فصل دوم: مسلمان کہلانے والے

گستاخ رسول کی توبہ کے بعد سزا کا سقوط

اس فصل کو علامہ شامی نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

حصۂ اول میں انھوں نے ایسے گستاخ رسول کی توبہ کی قبولیت پر مختلف مسالک کے فقہا کا اختلاف نقل کیا ہے؛

حصۂ دوم میں انھوں نے اس پر بحث کی ہے کہ کیا ایسے گستاخ رسول سے توبہ کے لیے کہنا واجب ہے؟

حصۂ سوم میں انھوں نے اس مسئلے میں حنفی مسلک کے نمائندہ موقف کی تنقیح کی ہے اور نہایت تفصیل سے امام ابوحنیفہ کی رائے کی وضاحت کی ہے، نیز بعض متاخرین حنفی فقہا کی اختلافی آرا کی کمزوری بھی واضح کی ہے۔

ایسے مجرم کی توبہ کی قبولیت کے متعلق مذاہب فقہ کا اختلاف

حصۂ اول میں علامہ شامی نے واضح کیا ہے کہ ایسے گستاخ رسول کی توبہ کی قبولیت کے مسئلے پر فقہا کا اختلاف ہے۔ چنانچہ انھوں نے قاضی عیاض کی الشفا اور دیگر فقہا کی کتب سے طویل اقتباسات نقل کر کے دکھایا ہے کہ فقہا کے ہاں اس مسئلے پر تین آرا پائی جاتی ہیں:

۱۔ امام مالک کی مشہور رائے یہ ہے کہ ایسے گستاخ رسول کو سزا گستاخی کی ملتی ہے، نہ کہ کفر کی، اور اس وجہ سے یہ سزا

توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ یہ رائے امام شافعی، امام احمد اور امام لیث سے بھی نقل کی گئی ہے۔

۲۔ امام مالک سے ہی دوسری رائے کی روایت ولید بن مسلم نے کی ہے اس شخص پر ارتداد کے احکام کا اطلاق ہوگا جن میں ایک حکم توبہ کی قبولیت کا ہے۔ یہی رائے امام ابوحنیفہ، امام ثوری اور امام اوزاعی کی ہے۔

۳۔ تیسری رائے، جس کی روایت سحنون نے کئی مالکی فقہا سے کی ہے، یہ ہے کہ اس شخص پر زندیق کے احکام کا اطلاق ہوگا، گویا اس کی توبہ دنیوی سزا ساقط نہیں کر سکے گی۔

کیا ایسے مجرم کو توبہ کے لیے کہنا واجب ہے؟

حصۂ دوم میں علامہ شامی نے واضح کیا ہے کہ جو فقہا ایسے گستاخ کی توبہ کی قبولیت کے قائل نہیں ہیں وہ اس سے توبہ کرانے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ البتہ توبہ کی قبولیت کے قائل فقہا میں بھی اکثریت کا کہنا یہ ہے، اور یہی حنفی فقہا کا نمائندہ موقف ہے، کہ اگر ایسے شخص کو توبہ کے لیے کہے بغیر بھی اسے سزاے موت دی گئی تو اس سزا کو جائز سمجھا جائے گا، اگرچہ قانوناً صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے توبہ کے لیے کہا جائے، اس کے شبہات دور کیے جائیں اور اسے رجوع کا موقع دیا جائے۔ علامہ شامی نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اگر ایسا شخص غور وفکر کے لیے مہلت چاہے تو پھر حنفی فقہا کا موقف یہ ہے کہ اسے سوچنے سمجھنے کے لیے مہلت دینا واجب ہے۔

ایسے مجرم کی توبہ کے قانونی اثرات کے متعلق امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تحقیق

حصۂ سوم اس ساری بحث کی جان ہے۔ یہاں علامہ شامی نے فقہ حنفی کے تمام ذخیرے کا باریک بینی سے جائزہ لینے کے بعد جو نتائج نکالے ہیں وہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ علامہ شامی کی اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ کسی بھی فقہی مسلک، اور بالخصوص حنفی مسلک، میں اگر ایک سے زائد آرا پائی جاتی ہوں تو ان میں کسی رائے کو اس مسلک کا نمائندہ موقف ماننے کے لیے کیا طریق کار اختیار کرنا چاہیے۔ اصول قانون اور اصول فقہ پر کام کرنے والوں کے اس فصل میں بہت مفید مواد موجود ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مسلک کے متعلق دیگر مذاہب کے ائمہ کی گواہی

اس مقام پر پہلے تو علامہ شامی نے قاضی عیاض اور امام طبری کے اقتباسات کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ ایسے گستاخ کی توبہ کی قبولیت اور توبہ کے ذریعے اس کی سزا کے سقوط کے قائل تھے کیونکہ وہ اس پر مرتد کے احکام کا اطلاق کرتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے دو اہم نکات کی طرف توجہ دلائی ہے:

۱۔ یہ کہ یہی راے امام مالک سے ولید بن مسلم نے روایت کی ہے کہ ایسے گستاخ پر ارتداد کے احکام کا اطلاق ہوگا۔

۲۔ دوسری یہ کہ توبہ کی عدم قبولیت کے متعلق امام مالک کی مشہور رائے کی بنیاد یہ امر ہے کہ وہ اس سزا کو گستاخ کے مرتد ہوجانے کی حد نہیں بلکہ خاص گستاخی کے فعل کی حد سمجھتے ہیں، اور یہی رائے قاضی عیاض نے امام شافعی، امام احمد اور امام لیث سے نقل کی ہے۔

اس آخری نکتے کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں کہ امام احمد کی مشہور رائے تو یہی ہے جو قاضی عیاض نے نقل کی ہے۔ تاہم امام شافعی کے مسلک کی تحقیق کے متعلق علامہ شامی کی رائے قاضی عیاض سے مختلف ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ رائے شافعی فقیہ ابوبکر الفارسی کی رائے کے موافق ہے جو قرار دیتے ہیں کہ حد قذف کی طرح یہ سزا بھی توبہ سے ساقط

نہیں ہوتی (کیونکہ شافعی فقہا کے نزدیک حد قذف حق العبد سے متعلق ہے، نہ کہ حق اللہ سے متعلق، اور ابو بکر الفارسی کی رائے میں گستاخ رسول کی سزا رسول اللہ ﷺ کے حق سے متعلق ہے)۔ دیگر مشہور شافعی فقہا میں ابو بکر القفال اور امام الحرمین نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے لیکن خاتمۃ المحققین تقی الدین السبکی نے صراحت کی ہے کہ امام شافعی کا مشہور مسلک اس کے برعکس توبہ کی قبولیت ہی کا ہے اور اسی مسلک پر قاضیوں نے فیصلے دیے ہیں۔ امام سبکی نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ امام فارسی کے قول کی روایت مختلف الفاظ میں کی گئی ہے، اور یہ کہ اس کے قول کی سیاق وسباق اسے گستاخی کی ایک خاص نوعیت، رسول اللہ ﷺ کے خلاف قذف کے ارتکاب، کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ امام الحرمین نے بھی امام فارسی کے قول کی روایت قذف کے لفظ کے ساتھ کی ہے۔ شافعیہ کے مسلک کے متعلق امام سبکی کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ گستاخی کی عام صورتوں میں مجرم کو توبہ کے لیے کہا جائے گا اور اگر اس نے توبہ کی تو اس کی سزا ساقط ہو جائے گی؛

۲۔ اگر گستاخی قذف کی نوعیت کی ہو اور پھر مجرم توبہ کرے تو پھر شافعیہ کے ہاں تین آرا ہیں: ایک یہ کہ اس کی سزا ساقط ہو جائے گی؛ دوسری یہ کہ اس کی سزائے موت ساقط ہو جائے گی لیکن اسے سزائے قذف دی جائے گی؛ اور تیسری رائے یہ ہے کہ اسے سزائے موت ہی دی جائے گی۔

جہاں تک امام ابوحنیفہ کے مسلک کا تعلق ہے تو امام سبکی نے تصریح کی ہے کہ حنفی مسلک توبہ کی قبولیت ہی کا ہے اور اس میں دو رائیں نہیں پائی جاتیں۔ اس کے بعد علامہ شامی نے اس سلسلے میں امام تیمیہ کی گواہی پیش کی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے بھی امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک نقل کیا ہے کہ اگر مجرم پہلے مسلمان ہو اور گستاخی کے بعد توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ کے مسلک کے متعلق متقدمین فقہائے احناف کی گواہی

اس کے بعد علامہ شامی قرار دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک کے متعلق اگر حنفی متون خاموش بھی ہوتیں تو امام طبری، قاضی عیاض، امام ابن تیمیہ اور امام سبکی جیسے انتہائی ثقہ اور معتبر فقہاء کی گواہی اس سلسلے میں کافی تھی۔ تاہم حنفی متون اس سلسلے میں خاموش نہیں ہیں بلکہ وہ صراحتاً اس گواہی کی تائید کرتی ہیں۔ یہاں علامہ شامی امام ابوحنیفہ کے ممتاز شاگرد امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم کی **کتاب الخراج** سے یہ اقتباس نقل کرتے ہیں جو فقہ حنفی کے موقف کے متعلق بالکل صریح ہے:

و قال ابو یوسف : و أیما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ أو کذبه أو عابه أو تنقصه، فقد کفر بالله تعالیٰ، و بانت منه امرأته ۔ فان تاب، و الا قتل ۔ و کذلک المرأة ، الا أن أبا حنیفة قال : لا تقتل المرأة ، و تجبر علی الاسلام ۔

[ابو یوسف کا قول ہے کہ جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے، یا ان کی تکذیب کرے، یا ان کی عیب جوئی کرے، یا ان کی شان میں تنقیص کرے، تو اس نے اللہ تعالیٰ کے کفر کا ارتکاب کیا اور اس کی بیوی بائن ہو گئی۔ پھر اگر وہ توبہ کرے تو بہتر ورنہ اسے سزائے موت دی جائے گی۔ یہی حکم عورت کا بھی ہے۔ البتہ ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے اسلام کی طرف لوٹ آنے پر مجبور کیا جائے گا۔]

اس اقتباس سے دیگر امور کے علاوہ علامہ شامی یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ حنفی مسلک کے مطابق توبہ کی قبولیت سے

مراد سزا کا سقوط ہے کیونکہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ: فان تاب ، والا قتل۔

علامہ شامی نے شیخ الاسلام السعدی کی تالیف النتف الحسان سے یہ اہم اقتباس بھی اس سلسلے میں نقل کیا ہے:

من سب رسول الله ﷺ فانه مرتد وحکمه حکم المرتد، یفعل به ما یفعل بالمرتد

[جس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو وہ مرتد ہوا۔ اس کی قانونی حیثیت وہی ہے جو مرتد کی ہے، اور اس کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے گا جو مرتد کے ساتھ کیا جائے گا۔]

اس کے بعد انھوں نے اس مفہوم کی کئی عبارات **فتاوی مؤید زاده ، شرح الطحاوی ، معین الحکام** اور **نور العین شرح جامع الفصولین** سے نقل کی ہیں جن سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حنفی مسلک یہی ہے کہ دیگر مرتدین کی طرح گستاخ رسول کی سزا بھی توبہ کے بعد ساقط ہو جاتی ہے۔

ایسے مجرم کی قانونی پوزیشن وہی ہے جو مرتد کی ہے

اس کے بعد علامہ شامی نے ایک اور پہلو سے اس مسئلے کو لیا ہے۔ انھوں نے دکھایا ہے کہ حنفی فقہا ارتداد کا حکم واضح کرتے ہوئے جب ان الفاظ کا ذکر کرتے ہیں جن کے کہنے سے کوئی مسلمان مرتد ہو سکتا ہے تو ان میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انھوں نے فتاوی تاتارخانیہ سے یہ عبارت نقل کی ہے:

من لم یقر ببعض الأنبیاء، أو عاب نبیاً بشیء، أو لم یرض بسنة من سنن سید المرسلین ﷺ فقد کفر۔

[جس نے انبیاء علیہم السلام میں بعض کا انکار کیا، یا کسی نبی کی عیب جوئی کی، یا سید المرسلین ﷺ کی سنن میں کسی سنت کو ناپسند کیا تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔]

اس طرح کی کئی عبارات علامہ شامی نے **التتمة ، المحیط ، الظاهریة** اور متون معتبرہ جیسے **مختصر القدوری ، کنز الدقائق ، المختار ، ملتقی الأبحر ، الهدایة** اور امام محمد بن الحسن الشیبانی کی **الجامع الصغیر** سے نقل کی ہیں۔ اس کے بعد وہ قرار دیتے ہیں کہ جب حنفی فقہا صراحتاً اس کو ارتداد قرار دیتے ہیں اور پھر ارتداد کے قانونی اثرات میں ایک اہم اثر یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ مرتد کو توبہ کے لئے کہا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کو ارتداد کی سزا نہیں دی جائے گی، تو ظاہر ہے کہ یہی حکم گستاخ رسول کا بھی ہے۔

اس استدلال پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ زندیق بھی تو مرتد ہوتا ہے مگر فقہا اس کی توبہ کے قائل نہیں ہیں تو علامہ شامی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ زندیق یا جادوگر کو محض ارتداد کی وجہ سے نہیں، بلکہ فساد فی الارض کی وجہ سے سزائے موت دی جاتی ہے اور گستاخ رسول کو بھی بعض صورتوں میں ارتداد کے بجائے فساد فی الارض کی بنیاد پر سزائے موت دی جاسکتی ہے، جیسے مثال کے طور غیر مسلم گستاخ رسول کا حکم ہے، بلکہ فساد فی الارض کی بنیاد پر سیاسةً سزائے موت تو زندیق، جادوگر، مرتد یا گستاخ رسول کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس مسلمان کو بھی دی جاسکتی ہے جس نے کفر کا ارتکاب نہ کیا ہو، جیسے مثال کے طور پر باغیوں کو سیاسةً سزائے موت دی جاسکتی ہے۔

بعض متاخرین احناف کی اختلافی رائے

یہاں سے علامہ شامی اس بات کی طرف رخ کرتے ہیں کہ بعض متاخرین احناف نے کس بنا پر قرار دیا ہے کہ

گستاخ رسول مسلمان کوسزائے موت بطور حد دی جائے گی اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہوگی؟ مثال کے طور پر الفتاوی البزازیۃ میں یہی قرار دیا گیا ہے جس کی اتباع الدرر و الغرر میں کی گئی ہے۔ ابن الھمام نے بھی فتح القدیر میں اسی طرح کی رائے کا اظہار کیا ہے۔ نیز ابن نجیم نے الأشباہ و النظائر اور البحر الرائق میں کہا ہے کہ فتوی اسی قول پر دینا چاہیے کہ گستاخ رسول کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اس بات کی اتباع ان کے شاگرد علامہ تمرتاشی نے التنویر میں کی۔ پھر یہی بات علامہ خیر الدین الرملی، صاحب النہر اور علامہ شرنبلانی نے اور ان کے بعد دیگر کئی متاخرین نے اپنے فتاوی میں کی ہے۔

اختلاف کا اصولی فیصلہ

اس اختلاف کا اصولی فیصلہ تو علامہ شامی ان اصولوں کے ذریعے کرتے ہیں جن کے ذریعے یہ طے کیا جاتا ہے کہ روایات میں اختلاف کی صورت میں مفتی بہ قول کی پہچان کس طرح ہوگی؟ یہاں علامہ شامی نے شیخ امین الدین بن عبد العال کے فتاوی سے جو اہم اصول بیان کیے ہیں ان میں سے چند کا یہاں ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے:

۔ اگر امام ابو حنیفہ سے ایک سے زائد آرا مروی ہوں تو اس رائے کی اتباع کی جائے گی جو زیادہ قوی ہو۔ پس اگر صاحبین کی رائے امام کی سے مروی آرا میں کسی ایک سے موافق ہو تو اس کے خلاف رائے پر فتوی نہیں دیا جائے گا۔

۔ اگر امام اور ان کے تلامذہ میں اختلاف ہو تو امام کی رائے پر فتوی دیا جائے گا، بالخصوص جبکہ صاحبین میں کسی ایک کی رائے امام کی رائے کے موافق ہو۔

۔ اگر امام ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو اگر یہ اختلاف کسی شرعی دلیل کی تعبیر وتشریح پر مبنی ہو تو امام کی رائے پر عمل کیا جائے گا، اور اگر اختلاف احوال کے تغیر کی بنا پر ہو تو صاحبین کی رائے پر فتوی دیا جائے گا۔

۔ اگر کسی مسئلے میں امام کی رائے نقل نہ کی گئی ہو تو فتوی ابو یوسف کی رائے پر دیا جائے گا؛ وہ بھی نہ ہو تو محمد کی رائے پر، ورنہ زفر کی رائے پر اور وہ بھی نہ ہو تو حسن (بن زیاد) کی رائے پر فتوی دیا جائے گا۔

۔ اگر کسی مسئلے پر ان کبار فقہا یا ان کی طرح کے دیگر فقہا کی رائے نہ ملے تو پھر دیکھنا چاہیے کہ ان کے بعد کے فقہا نے اس مسئلے میں کوئی متفقہ رائے دی ہے یا نہیں؟ اگر دی ہے تو اسی کی اتباع کی جائے گی۔ اگر ان کا اختلاف ہو تو پھر جمہور فقہائے مذہب کی رائے، بالخصوص ابو حفص، ابو جعفر، ابو اللیث اور طحاوی جیسے فقہا کی رائے پر فتوی دینا چاہیے۔

۔ اگر یہ راستہ بھی میسر نہ ہو تو پھر مفتی پر یہ ذمہ داری آن پڑتی ہے کہ وہ ان فقہائے کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خود اس مسئلے کا شرعی حل تلاش کرے۔

۔ واضح رہے کہ وہی مفتی فقہا کی آرا میں اختلاف کی صورت میں کسی رائے کا انتخاب کر سکتے ہیں جو کسی مسئلے کا قانونی تجزیہ کرنے اور اس کے لیے قانونی حکم کے استنباط کے لیے مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہوں۔ باقی رہے ہم اور ہمارے معاصرین، اور ہمارے ان کے اساتذہ اور ان اساتذہ کے اساتذہ، تو ہماری حیثیت تو صرف مجتہدین کی آرا کے نقل کرنے والوں اور ان کی حکایت کرنے والوں کی ہے۔

یہاں علامہ شامی نے ثابت کیا ہے کہ حنفی مسلک میں اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا اور اس کی شہادت متقدمین احناف کی نصوص بھی دیتی ہیں اور دیگر مسالک کے فقہاء کی عبارات بھی۔ اس لیے امام بزازی کی عبارت،

جہاں پہلی دفعہ حنفی فقہا کے ہاں ایک مختلف راے ملتی ہے، اصولاً نا قابل قبول ہے۔

بزازی اوران کے متبعین کی راے کے اصل مآخذ

اس کے بعد علامہ شامی نے یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت کی ہے کہ فتاوی بزازیہ کی عبارت حنفی فقہا کی تصریحات کے بجائے مالکی فقیہ قاضی عیاض کی **الشفا** اور حنبلی فقیہ امام ابن تیمیہ کی **الصارم المسلول** سے ماخوذ ہے۔ نیز علامہ شامی نے یہ بھی دکھایا ہے کہ بزازی سے قاضی عیاض اور امام ابن تیمیہ کی عبارات کے فہم میں غلطی ہوئی ہے ورنہ قاضی عیاض اور امام ابن تیمیہ دونوں نے حنفی موقف کو صحیح طور پر نقل کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی نے ثابت کیا ہے کہ ابن الھمام کا انحصار بزازیہ پر تھا اور خود ابن الھمام کے شاگرد رشید علامہ قاسم نے ان کے قول کو اس بنیاد پر رد کیا ہے کہ وہ حنفی مسلک کے خلاف ہے۔ اسی طرح ابن نجیم پر خود ان کے اہل عصر نے بھی اس سلسلے میں تنقید کی تھی، بالخصوص جبکہ ابن نجیم نے حوالہ **الجوھرۃ** کا دیا ہے لیکن وہاں یہ عبارت نہیں پائی جاتی۔

کیا توبہ کی قبولیت سے مراد اخروی سزا کا سقوط ہے؟

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ حنفی مسلک توبہ کی قبولیت کا ہی ہے، علامہ شامی اس تاویل کی طرف رخ کرتے ہیں جو بعض لوگوں نے بزازی اور ابن الھمام وغیرہ کے دفاع میں پیش کی ہے، کہ توبہ کی قبولیت سے مراد اخروی سزا کا سقوط ہے، نہ کہ دنیوی سزا۔ علامہ شامی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ تاویل پیش کرنے والے اصل محل نزاع کو ہی نظر انداز کر گئے ہیں۔ قاضی عیاض، امام ابن تیمیہ، امام سبکی اور امام ابو یوسف کی جو عبارات نقل کی گئیں ان میں صراحتاً مذکور ہے کہ اصل بحث سزاے موت کے سقوط یا عدم سقوط پر ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف قرار دیتے ہیں: **فان تاب، والا قتل**۔

کیا توبہ اس لیے دنیوی سزا ساقط نہیں کر سکتی کہ مجرم فساد کا ارتکاب کرتا ہے؟

بزازی اور ابن الھمام کے قول کی ایک اور تاویل یہ بھی پیش کی گئی ہے کہ اس قول کی بنا یہ امر ہے کہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ محترم شخصیت کی شان میں گستاخی کر کے مجرم فساد فی الارض کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ حنفی مسلک کا مسلمہ اصول ہے کہ فساد فی الارض کی سنگین صورت میں مجرم کو سزاے موت دی جا سکتی ہے۔ اس تاویل کا جواب علامہ شامی یہ دیتے ہیں کہ ایک تو گستاخ رسول تعزیری نہیں بلکہ اسے ارتداد کی سزا بطور حد دی جاتی ہے اگر وہ توبہ نہ کرے، دوسرے اگر سزاے موت فساد کی وجہ سے دی جا رہی ہے تو یہ حکم مطلق صورت میں صحیح نہیں ہے کیونکہ فساد کی ہر صورت پر موت کی سزا نہیں دی جا سکتی، بلکہ صرف اسی صورت میں یہ سزا دی جاتی ہے جب مجرم معاشرے میں عمومی انتشار کا باعث بنے اور اس کے فساد کے خاتمے کے لیے سواے سزاے موت کے اور کوئی راستہ نہ ہو۔ پس اگر مجرم اسے عادت بنا لے کہ جب بھی وہ پکڑا جائے وہ توبہ کر کے خود کو بچانے کی کوشش کرے، یا وہ جرم انتہائی اشتعال انگیز انداز میں یا سرکشی کے ساتھ کرے تب اسے فساد کا مرتکب قرار دے کر سزاے موت دی جا سکتی ہے لیکن ایسا جرم کی ہر صورت میں نہیں ہو سکتا۔

کیا اس طرح بزازی اور دیگر فقہا کی کتب پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے؟

یہاں علامہ شامی اس اعتراض کا بھی رد کرتے ہیں کہ ان کے اس موقف کی وجہ سے بزازیہ جیسی مستند کتاب نا قابل اعتماد ٹھہرتی ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ امام بزازی، محقق ابن الھمام اور دیگر فقہا جنھوں نے اس راے کا اظہار کیا ہے، ان کا احترام اور ان کے ساتھ عقیدت اپنی جگہ لیکن اللہ کی کتاب کے سوا کوئی کتاب غلطی سے پاک نہیں ہو سکتی اور

اللہ تعالیٰ نے اس امت پر جو احسان کیے ہیں ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ ہر دور میں اس نے اپنے بعض بندوں سے یہ کام لیا ہے کہ وہ اپنے پیش رووں کی غلطیوں کا احتساب کر کے شرعی احکام کی توضیح اور احقاق حق کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ پس فقہا نے اپنے پیش رووں کے کام کا تنقیدی جائزہ لے کر اس میں غث وثمین کی تمییز کا کام ہمیشہ سے جاری رکھا ہے اور اس سلسلے میں اپنے بزرگوں اور اساتذہ سے بھی اختلاف کرتے آئے ہیں۔ پھر علامہ شامی نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ غلطی کسی ایک اہل علم سے ہو جاتی ہے لیکن ان پر اعتماد کی وجہ سے دوسرے اس رائے کو نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں بات پھیل جاتی ہے لیکن جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ پہلا قدم ہی غلط اٹھایا گیا تھا تو پھر اس غلطی پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد انھوں نے کئی ایسی مثالیں دی ہیں جن میں بعض بڑے اہل علم سے کسی مسئلے کے صحیح حکم کے تعین میں تسامح ہوا ہو اور بعد کے فقہا نے اس کی تصحیح کی ہو۔

کیا ایسے مجرم پر مرتد کے بجائے زندیق کے احکام کا اطلاق ہوگا؟

اس مقام پر پہنچ کر علامہ شامی ایک اور اہم تاویل کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ شیخ ابوالسعود آفندی سے روایت کی گئی ہے کہ گستاخ رسول پر عام مرتدین کے بجائے زندیق کے احکام کا اطلاق ہوگا جن میں ایک یہ ہے کہ اس کی ظاہری توبہ دنیوی سزا ساقط نہیں کر سکتی۔ صاحب درمختار کی تحقیق کے مطابق اس رائے کی بنا یہ امر ہے کہ فقہا کے درمیان گستاخ رسول کی توبہ کی قبولیت وعدم قبولیت پر اختلاف اس صورت میں ہے جب اسے گرفتار نہ کیا گیا ہو، اور یہ کہ جب اسے گرفتار کیا گیا تو پھر بالاتفاق اس کی توبہ سزا ساقط نہیں کر سکے گی کیونکہ اسے زندیق سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں عثمانی خلیفہ کے ایک فرمان کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے جو ۹۴۴ھ میں جاری کیا گیا تھا اور جس میں قرار دیا گیا تھا کہ اگر مجرم کی توبہ قاضی کو مطمئن کر دے تو اسے سزائے موت کے بجائے تعزیری سزا دی جائے گی جیسا کہ امام اعظم کا مسلک ہے، اور اگر قاضی مجرم کی توبہ سے مطمئن نہ ہو تو وہ اسے دیگر فقہا کی رائے کے مطابق سزائے موت دے گا۔

علامہ شامی کہتے ہیں کہ محقق ابوالسعود کے احترام اور ان کے ساتھ عقیدت کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ ان کے قول کے دو اجزا باہم متناقض ہیں کیونکہ پہلے جز میں قرار دیا گیا ہے کہ گرفتاری کے بعد مجرم کی توبہ کی عدم قبولیت پر کوئی اختلاف نہیں ہے، جبکہ آخری جز میں تصریح کی گئی ہے کہ امام اعظم اور دیگر فقہا کا اختلاف گرفتاری کے بعد کے مرحلے پر ہے۔ مزید برآں خود مفتی ابوالسعود نے ایک اور فتویٰ میں قطعی الفاظ میں تصریح کی ہے کہ امام اعظم کا مسلک یہی ہے کہ مجرم کی گرفتاری کے بعد بھی اس کی توبہ قاضی کو مطمئن کر دے تو وہ سزا کو ساقط کر دے گا۔

علامہ شامی نے اس بات کا بھی تفصیلی تجزیہ کیا ہے کہ کیا گستاخ رسول کو زندیق سمجھا جا سکتا ہے؟ اور کیا اسے زندیق قرار دینے سے بزازی کا دیگر فقہائے احناف کے ساتھ اختلاف رفع ہو جاتا ہے؟ انھوں نے واضح کیا ہے کہ اس مجرم کو زندیق قرار دینے سے ان تمام عبارات کی مخالفت لازم آتی ہے جن میں قرار دیا گیا ہے کہ وہ مرتد ہے اور اس کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے گا جو مرتد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس عمومی حکم کی تخصیص تبھی مانی جا سکتی ہے جب ائمۂ مذہب سے اس کی روایت کی گئی ہو اور ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ نیز اگر یہ تخصیص مان لی گئی تب بھی بزازی اور ائمۂ مذہب کا اختلاف رفع نہیں ہوتا کیونکہ بزازی اور ان کے متبعین کی رائے یہ ہے کہ گرفتاری سے قبل بھی اس مجرم کی توبہ ناقابل قبول ہے۔ گویا اس تاویل کو ماننے سے دو آرا کا اختلاف رفع نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایک تیسری رائے وجود میں آجاتی ہے۔

یہاں پھر علامہ شامی اس اصول کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جب مذہب کے مجتہدین کے ساتھ متاخرین کا اختلاف ہو تو مجتہدین کی رائے پر عمل لازم ہے۔ اس لیے فتویٰ بزازی اور ان کے بعد آنے والوں کی رائے کے بجائے ابو یوسف، طحاوی اور دیگر ائمۂ مذہب کے موقف پر ہی دیا جائے گا۔ حقیقی اختلاف تو اس صورت میں ہوتا جب ان ائمۂ مذہب کے مرتبے کے مجتہدین سے کوئی مختلف رائے منقول ہوتی۔ (مثال کے طور پر ابو یوسف کچھ کہتے اور محمد کچھ اور۔) اس صورت میں بھی ہمارا کام یہ نہ ہوتا کہ کسی ایک رائے کی ترجیح کریں، بلکہ یہ کام اصحاب ترجیح ہی کا ہوتا اور ہم پر ان کی اتباع لازم ہوتی۔ اب جبکہ ائمۂ مذہب میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں تو ان سے مرتبے میں کم متاخرین نے خواہ ایک مختلف رائے اختیار کی ہو اس اختلاف کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

علامہ شامی اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ بزازی، ابن الہمام، ابن نجیم اور دیگر فقہا پر، جنھوں نے ائمۂ مذہب سے منقول موقف کے خلاف رائے اختیار کی ہے، دیگر فقہاے مذہب کی جانب سے مسلسل تنقید بھی ہوتی رہی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ان کے اختلاف کو مذہب کے اندر قبولیت عامہ حاصل نہیں ہو سکی ہے۔

گستاخی کے ہر ملزم کو زندیق کیوں قرار نہیں دیا جا سکتا؟

پھر علامہ شامی یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ گستاخی کے ہر ملزم کو زندیق کیوں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انھوں نے ابن الھمام کے حوالے سے زندیق کی یہ تعریف پیش کی ہے کہ زندیق سے مراد وہ شخص ہے جو کسی دین پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو عہد رسالت کے منافقین کی طرح ہو کہ بظاہر مسلمان ہو لیکن بباطن کافر ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی پہچان صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کا راز کسی طرح آشکارا ہو جائے، یا وہ اپنے کسی ساتھی پر اپنا اصل عقیدہ واضح کرے۔ یہاں **البحر الرائق** اور **الخلاصۃ** سے بعض جزئیات نقل کرنے کے بعد علامہ شامی التجنیس سے یہ اہم جزئیہ نقل کرتے ہیں کہ زندیق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ایسا زندیق جو اصلاً مشرک ہو؛

۲۔ ایسا زندیق جو پہلے مسلمان تھا؛ اور

۳۔ ایسا زندیق جو پہلے ذمی تھا۔

ان میں پہلی قسم سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ مشرکین عرب میں سے ہو۔ (احناف کے نزدیک مشرکین عرب کے لیے دو ہی راستے ہیں: اسلام یا سزاے موت۔) اسی طرح تیسری قسم کے زنادقہ سے بھی تعرض نہیں کیا جائے گا کیونکہ اہل ذمہ بھی غیر مسلم ہیں اور زنادقہ بھی، اور **الکفر ملۃ واحدۃ**۔ البتہ دوسری قسم کے زنادقہ، جو پہلے مسلمان تھے، کا حکم یہ ہے کہ انھیں اسلام قبول کرنے کو کہا جائے گا اور انکار پر انھیں سزاے موت دی جائے گی کیونکہ وہ مرتد ہو گئے۔

علامہ کمال پاشا نے بھی تصریح کی ہے کہ ایسے زنادقہ اور مرتدین میں احکام کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ انھوں نے تنبیہ کی ہے کہ اگر اس قسم کے زنادقہ میں اگر کوئی ایسا ہو جو اپنے مسلک کے لیے بہت مشہور ہو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتا ہو تو اگر گرفتاری سے پہلے وہ توبہ کرے تو اسے ارتداد کی سزا نہیں دی جائے گی لیکن اگر گرفتاری تک اس نے توبہ نہیں کی تو اسے سزاے موت دی جائے گی خواہ گرفتاری کے بعد وہ توبہ کرے۔ علامہ شامی قرار دیتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس دوسری قسم کے زنادقہ میں جن کی توبہ گرفتاری کے بعد ان کی سزا کو ساقط

نہیں کرسکتی، یہ وہ مخصوص طبقہ ہے جن کو فساد پھیلانے کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے جادوگروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں اور دیگر مفسدین کو سزائے موت دی جاتی ہے۔

کیا گستاخی کے ہر ملزم کو زنادقہ کے اس مخصوص طبقے میں شامل سمجھا جاسکتا ہے؟

اس مقام پر علامہ شامی یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا گستاخی کے ہر ملزم کو زنادقہ کے اس مخصوص طبقے میں شامل سمجھا جاسکتا ہے؟ وہ پھر یاددلاتے ہیں کہ ان مخصوص زنادقہ کی سزائے موت کی علت ان کا کفر نہیں، بلکہ یہ امر ہے کہ یہ فساد پھیلاتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب اپنا خبث باطن آشکارا کردیتا ہے اور اس کے ظاہری اسلام یا توبہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، تو علامہ شامی اس بات کو نہیں مانتے۔ وہ قرار دیتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر یہی حکم اس شخص کا بھی ہوتا جو رسول کے بجائے خدا کی شان میں گستاخی کرے۔ نیز وہ یاددلاتے ہیں کہ زنادقہ میں بھی یہ حکم صرف اس مخصوص طبقے کے لیے ہے جو اپنے مسلک کے لیے معروف ہو اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت بھی دیتا ہو۔ گستاخی کا ہر مجرم اس نوعیت کا نہیں ہوتا۔ علامہ شامی توجہ دلاتے ہیں کہ بسا اوقات اس جرم کا ارتکاب اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی شخص کو بہت زیادہ اشتعال دلایا جائے۔ البتہ اگر مجرم اس فعل کے لیے معروف ہو اور وہ دوسروں کو بھی اس کے ارتکاب کی ترغیب دیتا ہو تو پھر اس کے زندیق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اسے قطعی طور پر سزائے موت دی جائے گی خواہ وہ دعوی کرتا ہو کہ اس نے توبہ کرلی ہے۔

تکفیر میں احتیاط کی ضرورت

یہاں پہنچ کر علامہ شامی اس اہم حقیقت کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ کسی قول یا فعل کو کفر یا گستاخی قرار دینے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے اور اگر کسی قول یا فعل کی مناسب تاویل ممکن ہو تو اس کے مرتکب کو کافر یا گستاخ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں انھوں نے **جامع الفصولین، الفتاوی الصغری، البزازیة، التتارخانیة، البحر الرائق** اور خیر الدین الرملی کے فتاوی سے کئی جزئیات نقل کی ہیں۔

ساری بحث کا خلاصہ

علامہ شامی نے ایک بہترین محقق کا کردار ادا کرتے ہوئے اس ساری بحث کا خلاصہ بھی اس مقام پر پیش کیا ہے۔ چنانچہ وہ قرار دیتے ہیں کہ فقہاے احناف سے اس گستاخ رسول کے متعلق جو پہلے مسلمان تھا، تین آرا نقل کی گئی ہیں:

۱۔ پہلی راے وہ ہے جس کی روایت امام ابوحنیفہ سے قاضی عیاض مالکی، امام ابن تیمیہ حنبلی اور امام سبکی شافعی نے کی ہے کہ اس مجرم کی توبہ اس کی سزائے موت کو ساقط کردے گی خواہ اس نے توبہ گرفتاری سے قبل کی ہو یا بعد میں۔ امام ابوحنیفہ سے اس راے کی روایت امام طبری نے بھی کی ہے۔ یہ راے فقہاے احناف کے متقدمین کی مستند کتابوں میں بھی منقول ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کی تصریح کی ہے اور یہی بات شرح الطحاوی میں بھی منقول ہے۔ نیز حنفی مسلک کی معتبر متون کے مندرجات سے بھی اسی راے کی تائید ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری راے بزازیہ میں پیش کی گئی ہے کہ مجرم کی توبہ، خواہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں، ناقابل قبول ہے اور اس کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ اس راے کی بنیاد حنفی مسلک کی اپنی روایت پر نہیں بلکہ قاضی عیاض کی الشفا اور امام ابن تیمیہ کی الصارم المسلول کی ان عبارات پر ہے جن میں امام ابوحنیفہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان عبارات

کے فہم میں امام بزازی سے تسامح ہوا ہے۔ یہ رائے دراصل مالکی اور حنبلی فقہا کی ہے۔ بزازی کے بعد اس رائے پر اعتماد علامہ خسرو نے الدرر میں، محقق ابن الھمام نے فتح القدیر میں، ابن نجیم نے البحر الرائق اور الأشباہ میں، علامہ تمرتاشی نے التنویر اور المنح میں، شیخ خیر الدین الرملی نے اپنے فتاوی میں اور بعض دیگر متاخرین فقہا نے اپنی کتب میں کیا ہے۔

۳۔ تیسری رائے مفتی ابوالسعود نے اختیار کی ہے کہ گرفتاری سے قبل اس شخص کی توبہ قابل قبول ہے لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ اسے سزائے موت سے نہیں بچا سکتی۔

یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ بزازی اور ان کے متبعین کی رائے پر دیگر فقہائے مذہب اس بنا پر مسلسل تنقید کرتے آئے ہیں کہ یہ رائے حنفی مسلک کے مطابق نہیں ہے۔ مفتی ابوالسعود کی رائے دراصل اس کوشش پر مبنی ہے کہ کسی طرح پہلی دو آرا میں تعارض کو رفع کیا جا سکے لیکن اس کوشش سے تعارض تو کیا رفع ہوتا، ایک تیسری رائے وجود میں آ گئی۔

ترجیح کے دس دلائل

بحث کے آخر میں علامہ شامی بعض مزید دلائل سامنے لاتے ہیں جن کی بنا پر وہ ان تین آرا میں پہلی رائے کو ترجیح دیتے ہیں جو براہ راست ائمۂ مذہب سے منقول ہے۔ جو دس دلائل یہاں علامہ شامی نے دیے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ہم مقلد ہیں اور مقلد پر مجتہد کی رائے کی اتباع واجب ہے۔

۲۔ اس مسئلے میں امام کے ساتھ ابو یوسف اور محمد دونوں متفق ہیں جبکہ امام کے ساتھ صاحبین میں کسی ایک کی رائے بھی موافق ہو تو حنفی مسلک میں اسی رائے کی اتباع کی جاتی ہے۔

۳۔ متقدمین اور متاخرین کے اختلاف کی صورت میں متقدمین کی رائے کی اتباع ضروری ہے۔

۴۔ متون اور شروح کے درمیان تعارض کی صورت میں متون کو ترجیح حاصل ہے اور اس مسئلے میں پہلی رائے ہی متون کے مطابق ہے۔

۵۔ اس جرم کا مرتکب اصلاً مسلمان تھا اور شہادتین کی وجہ سے اس کی جان کو عصمت حاصل تھی۔ پس جو شخص اس کے خون کی حلت کا دعویدار ہے اس پر لازم ہے کہ اس حلت کے لیے قطعی دلیل لائے۔ جس مجتہد کی اتباع ہم نے اپنے اوپر لازم قرار دی ہے ان کی رائے بھی اس حلت کے خلاف ہے۔ ہم اپنے طور پر مجتہد بھی نہیں ہیں اور ایسے مجتہد کے مقلد بھی نہیں ہیں جو اس حلت کے قائل ہوں۔

۶۔ کسی کو عدالتی کاروائی کے ذریعے مرتد قرار دینا ایک انتہائی حساس نوعیت کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس میں حتی الامکان احتیاط کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کے تقاضے اپنی جگہ، لیکن اس محبت کا اولین تقاضا ان کی شریعت کی اتباع ہے:

> **ان أمر الدم خطر عظيم حتى لو فتح الامام حصناً أو بلدةً و علم أن فيها مسلماً لا يحل له قتل أحد من أهلها لاحتمال أن يكون المقتول هو المسلم ۔ فلو فرضنا ان هذه النقول قد تعارضت فالأحوط فى حقنا أن لا نقتله لعدم الجزم بأنه مستحق القتل ، فان الأمر اذا دار بين تركه مع استحقاقه للقتل و بين قتله مع عدم استحقاقه له تعين تركه لخطر الدماء ... و الأدلة فى ذلک متعارضة مع احتمالها للتأويل بلا نص صريح ۔ و ليس لنا**

أن ننصب بآرائنا حدوداً و زواجر ۔ و انما كلفنا بالعمل بما ظهر أنه من شرع نبينا صلى الله تعالىٰ عليه و سلم ۔ فحيث قال لنا : اقتلوا ، قتلنا ۔ وحيث قال : لا تقتلوا تركنا ۔ و حيث لم نجد نصا قطعياً و لا نقلاً عن مجتهدنا مرضياً ، فعلينا أن نتوقف، ولا نقول ان محبتنا لنبينا صلى الله تعالى عليه و سلم تقتضى أن نقتل من استطال عليه و ان أسلم، لأن المحبة شرطها الاتباع، لا الابتداع ۔ فاننا نخشى أن يكون صلى الله تعالى عليه وسلم أول من يسألنا عن دمه يوم القيامة ۔ فالواجب علينا الكف عنه حيث أسلم، و حسابه على ربه، العالم بما فى قلبه، كما كان صلى الله تعالى عليه و سلم يقبل الاسلام فى الظاهر، ويكل الأمر الى عالم السرائر ۔

[کسی کی جان کی حلت کا فیصلہ کرنا ایک سنگین معاملہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر امام کوئی قلعہ یا شہر فتح کرے اور اسے علم ہو کہ وہاں ایک مسلمان ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ وہاں کے لوگوں میں کسی ایک کو بھی قتل کرے کیونکہ ہر شخص کے متعلق یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ شاید وہی مسلمان ہو۔ پس اگر ہم نے یہ فرض کیا کہ ان نصوص کے درمیان تعارض ہے تو ہمارے حق میں زیادہ محتاط طریقہ یہی ہے کہ اسے سزائے موت نہ دیں کیونکہ اس کا سزائے موت کا مستحق ہونا قطعی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کے معاملے میں دو امکانات ہیں کہ یا تو اسے سزائے موت کا مستحق ہونے کے باوجود چھوڑ دیا جائے یا اسے مستحق نہ ہونے کے باوجود سزائے موت دی جائے تو جان لینے کی سنگینی کی وجہ سے اسے چھوڑ دینا لازمی ہو گیا۔۔۔ اور اس مسئلے میں دلائل کا آپس میں تعارض ہے اور ان میں کوئی نص صریح نہیں ہے بلکہ ہر ایک دلیل تاویل کا احتمال رکھتی ہے اور ہمیں یہ اختیار نہیں حاصل کہ ہم اپنی آراء کی بنیاد پر حدود قائم کریں اور سزائیں دیں، بلکہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کا جو حکم ہم پر ظاہر ہو جائے تو اس پر عمل کریں۔ پس اگر شریعت نے ہمیں کہا کہ سزائے موت دو تو ہم دیں گے اور اگر کہا کہ نہ دو تو نہیں دیں گے، اور جہاں ہمیں کوئی قطعی نص نہ ملے، نہ ہی ہمیں اپنے مجتہد کی جانب سے مقبول روایت ملے، تو ہماری ذمہ داری ہوگی کہ ہم رک جائیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہماری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر زبان دراز کرنے والے کو سزائے موت دیں کیونکہ ان کے ساتھ محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی اتباع کی جائے نہ کہ اپنی جانب سے شریعت میں حکم کا اضافہ کیا جائے، کیونکہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں قیامت کے دن اس کے خون کے متعلق سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ ہی ہم سے نہ پوچھ لیں! پس ہم پر واجب ہے کہ جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو ہم اسے سزائے موت دینے سے باز رہیں اور اس کے ساتھ حساب کا معاملہ اس کے رب پر چھوڑ دیں جو اس کے دل کی اندرونی کیفیت سے باخبر ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ظاہری اسلام کو قبول فرماتے تھے اور ان کے دلوں کا معاملہ رازوں سے باخبر ذات پر چھوڑ دیتے تھے۔]

۷۔ اگر ہمارا مسلک یہ ہو کہ اس مجرم کو توبہ کے باوجود بہر صورت سزا دینی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے نزدیک سزائے موت کی علت خاص گستاخی کا فعل ہے، نہ کہ یہ امر کہ مسلمان گستاخی کے ارتکاب کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہر گستاخ کو گستاخی کے فعل کی وجہ سے لازماً سزائے موت دی جائے گی، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ تاہم یہ بات ہمارے مسلک کے اس صریح فیصلے کے خلاف ہوگی جس کی تصریح متون میں کی گئی ہے کہ گستاخی

کے ارتکاب کی وجہ سے ذمی کا عقد نہیں ٹوٹتا، اگرچہ حکمران بعض حالات میں اس کے فساد کے خاتمے کے لیے بطور سیاسہ اسے سزائے موت دے سکتا ہے۔

۸۔ اگر خون کی حلت وحرمت کے متعلق دلائل میں تعارض ہو تو احناف کے ہاں ترجیح حرمت کی دلیل کو حاصل ہوگی۔

۹۔ شبھۃ کی موجودگی میں حد ساقط ہوتی ہے، جیسا کہ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے۔

۱۰۔ ابن ابی سرح کے واقعے سے بھی یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے جنھوں نے ارتداد کا ارتکاب بھی کیا اور شان رسالت میں گستاخی بھی کی لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کو دربار رسالت میں لے آئے تو آپ نے بالآخر اس کی جانب سے توبہ اور اسلام کو دوبارہ قبول کرنے کا فعل قبول کر لیا۔ اگر یہ حد کا معاملہ ہوتا جس میں معافی نہیں ہوتی، نہ ہی رحم کی درخواست کی جا سکتی ہے تو رسول اللہ ﷺ کبھی ان کی بیعت قبول نہ کرتے۔ یہ تاویل بھی صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے سے قبل ہی اس نے اسلام قبول کیا تھا کیونکہ جیسا کہ امام سبکی نے تصریح کی ہے یہ روایت اہل سیر کے ہاں غیر مقبول ہے۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ابن ابی سرح آپ کا سامنا کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا میں نے اس کی بیعت قبول نہیں کی اور اسے امان نہیں دیا؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں لیکن وہ اسلام سے قبل اپنے گناہوں کو یاد کر کے پچھتاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اسلام اپنے سے پہلے کے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ اسے معلوم ہوا کہ نہ صرف سزائے موت بلکہ گناہ بھی قبولیت اسلام کی وجہ سے ڈھل جاتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ سزا حق اللہ ہے، نہ کہ حق العبد، کیونکہ حق العبد ہونے کی صورت میں یہ سزا قبولیت اسلام پر ساقط نہ ہوتی۔

کیا مجرم کو معاف کرنا رسول اللہ ﷺ کا ذاتی حق تھا؟

بعض لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ کسی مجرم کو معاف کرنا یا نہ کرنا رسول اللہ ﷺ کا ذاتی حق تھا، اس لیے آپ کی رحلت کے بعد کسی کے پاس یہ اختیار نہیں کہ مجرم کو معاف کر دے، پس توبہ سے صرف گناہ ہی معاف ہو سکتا ہے، دنیوی سزا ساقط نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلے میں ایک حدیث کا حوالہ بھی بالعموم دیا جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے کسی پیغمبر کی شان میں گستاخی کی تو اسے سزائے موت دو۔

علامہ شامی اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ روایات میں مجرم کے لیے عفو کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اصطلاح شریعت میں گناہ کی معافی کے لیے نہیں بلکہ سزا کی معافی کے لیے رائج ہے۔ نیز یہ بھی مسلّم ہے کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی کریم تھے، اپنی امت کی غلطیوں کے معاف کرنے میں نہایت رحم دل تھے اور ذاتی حق کے معاملے میں درگزر سے کام لیتے تھے، البتہ جہاں اللہ تعالیٰ کی حدود کی پامالی ہوتی تو آپ وہاں سختی سے کام لیتے تھے۔ جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو اس کی تاویل وہی ہے جو اسی نوعیت کی دوسری حدیث کی ہے: جس نے اپنا دین تبدیل کیا اسے سزائے موت دو، یعنی اگر وہ توبہ نہ کرے۔ یہی کچھ یہاں بھی کہا جائے گا کہ جس نے کسی پیغمبر کی شان میں گستاخی کی اسے سزائے موت دو اگر وہ توبہ نہ کرے۔

مزید برآں اس سزا کی علت خاص گستاخی کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ امر ہے کہ گستاخی کی وجہ سے یہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا موت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر گستاخ کے ذمی ہونے کی صورت میں بھی اسے لازماً یہ سزا دی جاتی حالانکہ مسلمہ

طور پر ہمارا مسلک یہ نہیں ہے۔ اگر گستاخی کو علت قرار دیا جائے تب بھی یہی کہا جائے گا کہ گستاخی سزاے موت کی علت اس وجہ سے ہے کہ گستاخی کا یہ فعل کفر وارتداد کا موجب ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ گستاخی بذات خود علت ہے خواہ وہ کفر وارتداد کی موجب نہ ہو تو کیا وہ کسی ایسی صورت کا تصور کر سکتا ہے جس میں گستاخی تو ہو لیکن وہ گستاخی کفر وارتداد کی موجب نہ ہو؟

علامہ شامی یہاں پہنچ کر فریق مخالف کے دیگر دلائل کے بھی تفصیلی جواب دیے ہیں۔

کعب بن الاشرف وغیرہ کی سزاے موت سے زیر نظر مسئلے میں استدلال باطل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کعب بن الاشرف، ابورافع، ابن خطل اور اس نوعیت کے دیگر مجرموں کو یقیناً رسول اللہ ﷺ نے سزاے موت سنائی لیکن ان میں کسی بھی سزا سے مسئلۂ زیر بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا جب تک کہ یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ان میں سے کوئی مسلمان ہوا تھا اور اس کے باوجود رسول للہ ﷺ نے اس کی سزاے موت برقرار رکھی۔ ابن ابی سرح کے واقعے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد سزا ساقط ہو جاتی ہے۔

جہاں تک مجرم کی سزاے موت پر اجماع کے دعوے کا تعلق ہے تو علامہ شامی نے واضح کیا ہے کہ یہ اجماع اس صورت میں ہے جب مجرم نے توبہ نہ کی ہو کیونکہ توبہ کی صورت میں سزاے موت کے وجوب وعدم وجوب پر فقہا کا اختلاف ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

اسی طرح علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ موقف صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حق کا معاف کرنا بعد کے لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اسلام قبول کرنے سے پچھلے جرائم معاف ہو جاتے ہیں تو گویا آپ نے تصریح کی کہ جس نے اسلام قبول کیا اسے میں نے معاف کر دیا۔ اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام سبکی نے نقل کیا کہ ہبار بن الاسود بن عبد المطلب کی سزاے موت کا رسول اللہ ﷺ نے حکم جاری کیا تھا لیکن انھوں نے آپ کے سامنے آ کر اسلام کی قبولیت کا اعلان کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں معاف کر دیا اور اسلام پچھلے جرائم کو دھو دیتا ہے۔ پس اگر گستاخی کو رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حق پر عدوان سمجھا جائے تب بھی رسول اللہ ﷺ نے گویا اعلان عام فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اسلام قبول کیا تو میں نے اسے معاف کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جب کسی شخص نے گستاخی کے بعد اسلام قبول کیا ہو اور پھر بھی اسے سزاے موت دی گئی ہو۔

علامہ شامی مزید فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام قبول کرنے کی شرط پر اپنا حق معاف کر دیا ہے تو آپ کا خلیفہ آپ کا حق نافذ کرنے کا مجاز نہیں رہا۔ نیز اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا حق معاف نہیں فرمایا تب بھی خلیفہ صرف اسی صورت میں آپ کا حق نافذ کر سکتا ہے جب یہ ثابت کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا حق نافذ کرنے کا اختیار خلیفہ کو دیا ہے۔

اسلام پچھلے جرائم کو مٹا دیتا ہے

علامہ شامی کا اٹھایا گیا یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ اگر اس سزاے موت کی بنیاد مصلحت عامہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے کبھی معاف نہ کرتے اور اگر اس کی بنیاد یہ امر ہوتا کہ اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کر کے اور دین کی توہین کر کے مجرم نے حق اللہ کی پامالی کی ہے تو اسلام قبول کر کے وہ اس جرم کو مٹا دیتا ہے۔ یہاں علامہ شامی قرآن کریم کی

بعض ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کی توبہ مقبول ہے۔ بنائے استدلال یہ امر ہے کہ یہ حکم تمام مرتدین کے لیے ہے جن میں گستاخ رسول بھی شامل ہے۔ اسی طرح وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمان کا خون صرف تین میں سے کسی ایک امر کی بنیاد پر حلال ہوتا ہے: زانی محصن، نفس بالنفس اور مرتد۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ گستاخی کا مجرم جب اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ ان تین اصناف میں سے کسی صنف میں بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ شامی یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ جب اللہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزائے موت توبہ اور قبول اسلام سے ساقط ہو سکتی ہے تو یہی حکم رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے بھی ہے کیونکہ دونوں جرم ایک ہی نوعیت کے ہیں۔

لوگوں کے دلوں میں جھانکنا ہماری ذمہ داری نہیں

علامہ شامی مزید فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی غلط ہے کہ گستاخی کا ارتکاب کر کے مجرم قطعاً اپنا خبث باطن آشکارا کر دیتا ہے کیونکہ جب وہ توبہ کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ اس بات کی نفی کر دیتا ہے۔ یہاں وہ ان آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں یہ اصول طے کیا گیا ہے کہ لوگوں کے ظاہری اسلام کو قبول کرنا چاہیے اور ان کے دل کے عقیدے کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ نا چاہیے۔ یہی طرز عمل رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے معاملے میں اختیار کیا تھا۔

آخر میں علامہ شامی نہایت عجز وانکساری کے ساتھ قرار دیتے ہیں کہ ان کی اس تحقیق سے شاید ان کا دعویٰ قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا لیکن اس سے کم از کم شبهة تو پیدا ہو جاتا ہے جس کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کے لیے، جو اپنے دین اور عزت کے بارے میں حساس ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ قطعیت کے ساتھ ایسے مجرم کی توبہ کی عدم قبولیت اور اس کی سزائے موت کے عدم سقوط کی بات کرے۔

فصل سوم: ذمی کی جانب سے گستاخی کا ارتکاب

مسلمان، جو گستاخی کے نتیجے میں مرتد ہو جائے، کے مسئلے کے تفصیلی تجزیے کے بعد علامہ شامی فصل سوم میں ذمی کی جانب اس جرم کے ارتکاب کے قانونی اثرات پر بحث کرتے ہیں۔

ذمی کے متعلق امام ابوحنیفہ کا مسلک

اس فصل کی ابتدا میں علامہ شامی نے امام سبکی، قاضی عیاض اور امام ابن تیمیہ کے طویل اقتباسات پیش کیے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ کے متعلق صراحت کی گئی ہے کہ وہ ذمی کے لیے تعزیری سزا کے قائل تھے اور سزائے موت کو اس کے لیے حد نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کا موقف یہ تھا کہ جب ان کے شرک کے باوجود ان کے ساتھ عقد ذمہ کیا گیا تو اس کفر میں اضافے پر یہ عقد ٹوٹ نہیں سکتا لیکن فساد کے ارتکاب کی وجہ سے اسے مناسب سزا دی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے قرار دیا ہے کہ حنفی مسلک کی متون میں اسی بات کی تصریح کی گئی ہے جس کی روایت دیگر مسالک سے تعلق رکھنے والے یہ تین بڑے ائمہ کر رہے ہیں۔

بعض فقہائے احناف کی اختلافی رائے

البتہ علامہ عینی نے امام شافعی کی رائے کو اختیار کیا ہے کہ گستاخی سے ذمی کا عقد ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح محقق ابن

الہمام نے قرار دیا ہے کہ اگر ذمی ایسی بات کا کھلے عام اظہار کرے جو گستاخی کے زمرے میں آتی ہو اور وہ ان کے عقائد کا حصہ بھی نہ ہو تو اس پر اس کا عقد ٹوٹ جاتا ہے اور اگر وہ اس بات کا کھلے عام اظہار نہ کرے، لیکن کسی طرح اس کی بات کی سن گن ملے تو اس پر عقد نہیں ٹوٹتا۔ تاہم ابن الہمام کا یہ موقف حنفی مسلک کے صریح خلاف ہے اور اس وجہ سے ان کے شاگرد علامہ قاسم نے اپنے شیخ کی اس رائے کی اتباع سے منع کیا ہے۔ ابن نجیم نے بھی اس رائے پر کڑی تنقید کی ہے۔ اسی طرح ابن نجیم نے علامہ عینی کی بات کو بھی رد کیا ہے کیونکہ اس کے حق میں ائمۂ مذہب سے کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ علامہ خیر الدین الرملی نے دفاع کی کوشش اس طرح کی ہے کہ عدم نقض سے سزائے موت کا عدم لازم نہیں آتا۔ انھوں نے ابن السبکی کے حوالے سے یہ بھی قرار دیا ہے کہ امام شافعی کا مسلک بھی اصلاً یہی ہے کہ گستاخی سے ذمی کا عقد نہیں ٹوٹتا لیکن اسے سزائے موت دی جا سکے گی۔

اگر ذمی گستاخی کو عادت بنا لے

اس کے بعد علامہ شامی نے مختلف کتب فقہ سے بہت ساری عبارات پیش کی ہیں جن کا مقتضا یہ ہے کہ ذمی اگر گستاخی کو عادت بنا لے، یا سرکشی کے ساتھ اس جرم کا ارتکاب کرے تو حنفی مسلک کے مطابق ایسے شخص کے فساد کے خاتمے کے لیے اسے بطور سیاسہ سزائے موت دی جا سکتی ہے۔

عقد ذمہ نہ ٹوٹنے کے قانونی نتائج

علامہ شامی نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ عقد ذمہ نہ ٹوٹنے سے کیا فرق پڑتا ہے جبکہ اسے اس کے باوجود سزائے موت دی جا سکتی ہے؟ انھوں نے دکھایا ہے کہ اگر اس کا عقد ٹوٹنے کی بات مانی جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اسے دیگر حربیوں کی طرح غلام بنایا جا سکے گا اور اس کا مال مسلمانوں کے لیے فے کی حیثیت رکھے گا۔ گویا جب حنفی فقہا یہ کہتے ہیں کہ اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا لیکن اسے سزا دی جا سکے گی تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اسے حقوق شہریت حاصل رہیں گے اور ان کے بموجب اسے اور اس کے اموال کو دیگر امور سے قانونی تحفظ حاصل رہے گا، لیکن اس مخصوص جرم کے ارتکاب کی وجہ سے اسے اس جرم کی سزا دی جا سکے گی۔

کیا ایسے مجرم کو سزائے موت نہیں دی جا سکے گی؟

بعض حنفی کتب میں قرار دیا گیا ہے کہ اس جرم کے بار بار ارتکاب پر بھی ذمی کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ علامہ شامی نے اس بات کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ وہ اس جرم کا اظہار کھلے عام نہ کرتے ہوں، گویا فساد نہ پھیلا رہے ہوں، یا مراد یہ ہے کہ انھیں بطور حد سزائے موت نہیں دی جائے گی، گویا سیاسۃً سزائے موت کی نفی اس سے نہیں ہوتی۔ یہاں انھوں نے الملتقی سے یہ جزئیہ نقل کیا ہے کہ کوڑوں کی سزا کو رجم کی سزا کے ساتھ یا جلا وطنی کی سزا کے ساتھ اکٹھا نہیں کیا جائے گا، الا یہ کہ فساد کے خاتمے کے لیے حکمران ان دو طرح کی سزاوں کو اکٹھا کرنے میں ہی مصلحت سمجھے۔ نیز فقہا نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ سیاسہ پر مبنی حکم جاری کرنا حکمران کا اختیار ہے نہ کہ قاضی کا۔ اس لیے جب وہ کہتے ہیں کہ ایسے مجرم کو سزائے موت نہیں دی جائے گی تو مراد یہ ہوتی ہے کہ قاضی اسے سزائے موت نہیں دے سکے گا، الا یہ کہ حکمران اسے سیاسۃً (یعنی فساد کے خاتمے کے لیے) سزائے موت دینے کا فیصلہ کر لے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ۔